2010ء کا سیلاب یا طوفان نوح کا نمونہ

مفتی غلام الرحمٰن
مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور

29 جولائی 2010ء کی رات صوبہ خیبر پی کے (خیبر پختون خواہ) سے ابتداء کرنے والا تین ہزار کلومیٹر لمبا اور اوسطاً تیس میل چوڑا سیلاب جس نے صوبہ خیبر پی کے کی طرح پنجاب اور سندھ میں تباہی کے المناک نشانات چھوڑے۔ پاکستان کی تاریخ میں قدرتی آفات کی فہرست میں یہ سب سے بڑی آفت ہے جس سے پورے ملک کا چوتھائی حصہ متاثر ہوا۔ پچاس لاکھ افراد کے سر کا سایہ یعنی چھت چھن گئی۔ ایک اندازے کے مطابق مجموعی طور پر دو کروڑ افراد متاثر ہوئے۔ اگر بالواسطہ متاثرین بھی ساتھ ملائے جائیں تو اس کا اندازہ پریشان کن حد تک بڑھنے کا امکان ہے۔ زرعی نقصان کا اندازہ تین سو ارب لگایا گیا ہے۔ کپاس، چاول، گنا، مکئی اور موسمی سبزیاں بری طرح متاثر ہوئیں۔ دو ہزار افراد کی زندگی سیلاب کی نذر ہوئی۔ جب کہ آئندہ جا کر نقصانات کے ان جائزوں میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ ترقیاتی پروگرام تشویش ناک درجہ تک متاثر ہوئے ہیں۔ سڑکیں، پل اور سرکاری عمارتیں بری طرح متاثر ہوئیں۔ صوبائی حکومت کے ارباب اختیار کے بیان کے مطابق صوبہ خیبر پی کے کا ترقیاتی میدان ایک صدی رجعت قہقہری کا شکار ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ نے پاکستان کے موجودہ سیلاب کو دنیا کی بڑی ایمرجنسی قرار دیا ہے، کیونکہ مجموعی طور پر مالی نقصانات کا جائزہ کھربوں ڈالر تک پہنچ سکتا ہے۔

طوفانِ نوح کے اس نمونہ سیلاب سے صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا متاثر ہے۔ کوئی صاحب دل اس المناک تباہی پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ملکی سطح پر سرِ دست پچاس لاکھ افراد کی آباد کاری کا مسئلہ درپیش ہے۔ سیلاب کے بعد متعدی بیماریوں سے نمٹنا الگ مسئلہ ہے۔ زرعی زمینیں متاثر ہونے کی وجہ سے غذائی قلت کی وجہ سے مہنگائی کے ایک دوسرے طوفان کا خطرہ پایا جاتا ہے جب کہ بعض زمینیں مستقبل قریب میں قابل کاشت ہی نہیں، پختہ سڑکیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں اور کچی سڑکیں بہہ گئی ہیں، پلوں کی ایک کثیر تعداد سیلاب میں بہہ گئی ہیں۔ جن کی وجہ سے ملک کے

بعض اہم حصوں کا باہمی رابطہ منقطع ہے۔ متاثرین کو اگر ایک طرف کھوئے ہوئے افراد کا غم ستاتا ہے تو دوسری طرف وہ عمر بھر کی پونجی سے محرومی کی وجہ سے بھوک سے نڈھال بچوں اور کھلے آسمان تلے گرمی اور بارش کی پرواہ کئے بغیر رہائش زندگی کے مقابلہ میں موت کو ترجیح دے رہے ہیں۔ مادی نقصانات کے مقابلہ میں سیلاب کے جو اعتقادی اور روحانی اثرات ہیں وہ مادی نقصانات سے کہیں زیادہ ہیں۔ بدقسمتی سے ایک اسلامی معاشرہ میں رہتے ہوئے مادی نقصانات کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے لیکن روحانی اور اعتقادی طور پر جو نقصان ہو رہا ہے اس سے پوری قوم غفلت آمیز رویہ اپنائی ہوئی ہے۔ کوئی اس کو موسمی تغیرات اور تبدیلی کے نتائج قرار دے رہا ہے اور کوئی اس کو ناقص منصوبہ بندی کا شاخسانہ سمجھ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کو رجوع الی اللہ اور اجتماعی توبہ کا درس دینے کی بجائے جوان مردی سے مقابلہ کا درس دیا جارہا ہے۔ حالانکہ قدرتی آفات کے مقابلہ کی طاقت کس کو ہے؟ متاثرین دوسروں کے دست نگر بننے کے عادی بن کر جفاکشی اور محنت کا جذبہ کھو رہے ہیں۔ خالق کی طرف توجہ دینے کی بجائے اسباب و وسائل پر اعتماد کئے ہوئے ہیں۔ دروغ گوئی، دھوکہ دہی، خیانت، حق تلفی اور باہمی منافرت کی قبیح خصلتیں اسلامی معاشرے میں فروغ پارہی ہیں۔ بعض متاثرین اس وقت ایک ہدف کو لئے ہوئے ہیں، ہر محاذ اور ہر میدان میں سینہ سپر ہیں کہ حکومت یا امدادی اداروں یا اہل خیر حضرات سے کسی نہ کسی ذریعہ سے کچھ ملے۔ خواہ اس کے لئے ایمان کا سودا کیوں نہ کرنا پڑے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عذاب لوگوں کے لئے درسِ عبرت ثابت ہوتا، لوگوں میں تبدیلی کے اثرات دیکھے جاتے لیکن تاحال غفلت، بغاوت اور نافرمانی کے بغیر کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے، پورا معاشرہ قہرِ خداوندی کا عینی گواہ ہے اور پھر اس ترقی یافتہ دور میں وسائل کی ناکامی کا اعتراف ہے کہ سب کچھ کے باوجود عذابِ خداوندی سے بچنا مشکل رہا، لیکن پھر بھی معاشرہ میں روحانی تبدیلی محسوس نہیں ہو رہی ہے۔ کسی دکاندار نے آج تک ذخیرہ اندوزی اور مہنگائی کے لئے آلہ کار بننے سے توبہ نہیں کی۔ کسی ظالم نے ظلم وتشدد کو نہیں چھوڑا بلکہ بدقسمت لوگ اس وقت بھی سیلاب زدگان کے گھروں سے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔ جب سیلاب کا پانی سر سے گزر رہا تھا، کسی سرکاری افسر نے رشوت لینے سے توبہ نہیں کی۔ بددیانتی، خیانت اور ملکی وسائل ہڑپ کرنے میں کوئی کمی نہیں آئی۔ کام چوری اور چاپلوسی سے وقت گزارنے کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا بلکہ بعض بدقسمت اہل کار تو اتنے سنگ دل ہو گئے کہ متاثرین کے لئے بھیجی ہوئی امداد ہڑپ کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرنے لگے۔

یہ عذاب کوئی نیا تجربہ نہیں بلکہ قرآن کے مطالعہ سے یہی حقیقت کھلتی ہے کہ کرہ ارض پر مختلف قومیں کہیں انفرادی اور کہیں اجتماعی گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس طرح کے عذابوں کا شکار ہوئیں۔ آج ہمارا پاکستانی معاشرہ امریکہ اور دوسرے دشمنان اسلام کی مذموم منصوبہ بندی کی وجہ سے مذہب اور عقیدہ سے کتنا دور ہو گیا ہے۔ سود کو ہم ترقی کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں۔ ''سود کے بغیر معاشرہ نہیں چل سکتا'' ہر خاص و عام کا عقیدہ بن چکا ہے۔ بے حیائی، دینی و اخلاقی اقدار کی پائے مالی سے بے غیرتی قوم کا مزاج بن گئی ہے۔ طبقہ اشرافیہ مذہب اور عقیدہ کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھ رہا ہے۔ خالق

کائنات کو چھوڑ کر کہیں امریکا، کہیں برطانیہ، کہیں ورلڈ بینک اور کہیں آئی ایم ایف کے سامنے سربسجود ہو کر ہم اقتصادی تعاون کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ کیا یہ ایک مسلمان کا شیوہ ہے جو توحید کے مقدس عقیدہ کا علم بردار رہے، جو خالقِ کائنات سے سب کچھ ہونے اور وسائل کے بے اثر ہونے کا مشاہدہ کر کے بھی بغاوت سے باز نہیں آرہا ہے۔ کیا ہم نے بے حیائی کو آزادی کے نام سے تحفظ نہیں دیا؟ بلکہ اچھے خاصے گھرانے شیطان کے اہداف کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ کیا ایسی اجتماعی کمزوریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو جوش نہیں آئے گا؟ یہی تو قدیم دستور ہے کہ بے دینی اور بغاوت بڑھنے پر اللہ تعالیٰ کے جلال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ہم نے 2005ء میں بالاکوٹ کا زلزلہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ گزشتہ سالوں میں سوات کے آئی ڈی پیز کی خانہ بدری اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے کا بھی مشاہدہ کیا، لیکن بے وفائی کی فضا وفاداری میں نہیں بدلی، بغاوت سے باز نہیں آئے، اس لئے عذاب کا گراف دن بدن اوپر جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتے ہیں تو اس سے جس قوم کی حالت سدھر جائے تو تقدیر کے فیصلے ان کے حق میں بدلتے ہیں۔ جس قوم نے عذاب الٰہی کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے مقابلہ کا سوچا۔ غرور اور تکبر کو نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ پکڑا وہ گرفت بڑی سخت رہی۔ اس لئے بحیثیت قوم اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کے سامنے ہمارا رویہ، ہمارا سلوک اور ہمارا طرزِ عمل باغیانہ ہے۔ ہم میں عجز و انکسار اور ماننے کی بجائے بغاوت کا جذبہ فروغ پا رہا ہے اس لئے آئندہ عذاب اس سے بدتر ہو سکتا ہے، معلوم نہیں اس کی شکل کیا ہوگی؟ ولا فعلھا اللہ۔

مؤخر الذکر اثرات سے بچنے کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کو ماننا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے ماننے کا مقصد یہ ہے کہ ہم معاشرتی طور پر زندگی کے جس شعبہ سے وابستہ ہیں ہر شخص سوچے کہ اس میں میرے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ کاروباری طبقہ اپنے بارے میں سوچے، ملازم پیشہ لوگ اپنی فکر کریں، سیاست دان دور اندیشی کا مظاہرہ کر کے اپنی حیثیت جان لیں، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ پابندیوں اور ذمہ داریوں کو نبھانے کا نام اللہ تعالیٰ کو ماننا ہے۔ جسے عبادت کہا جاتا ہے۔ گزشتہ تقصیرات اور کمزوریوں پر نادم ہو کر آئندہ باز رہنے کا عہد کریں جسے توبہ واستغفار کہا جاتا ہے۔ اگر قوم اللہ تعالیٰ کے سامنے استغفار کر لے اور اجتماعی کمزوریوں کے تدارک کے لئے لائحہ عمل کرے تو فتوحات کا دروازہ کھل سکتا ہے اور عافیت کی امید ہونے کی وجہ سے ان عذابوں سے چھٹکارہ مل سکتا ہے۔

ہاں اوّل الذکر اثرات سے نمٹنے کے لئے ایک معاشرہ میں رہتے ہوئے اس کی بنیادی مسئولیت ان لوگوں کی ہے جنہیں ولایتِ عامہ یعنی طاقت حاصل ہے۔ جسے آج کل کی زبان میں حکومت یا اربابِ اقتدار کہا جاتا ہے اگر حکومت برأت کے لئے لاکھ دلائل پیش کرے تو بے سود ہے، کیونکہ حکومت کا کام یہی ہے کہ وہ رعیت کے دکھ درد کا مداوا کرے۔ حکومت اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ عوام سے ٹیکس وصول کر کے عیاشی کرتی رہی، بینک بیلنس بنائے، سیر سپاٹے کرے یا غیر ملکی دوروں پر قوم کا پیسہ خرچ کرے، بلکہ حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے موقع پر لنگوٹی کس کر میدان میں نکلے اور لوگوں

کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے ہاتھ دے دے۔ قوم کے اس دکھ کا مداوا یقیناً مالی تعاون سے ہوگا، لیکن اس سے بڑھ کر متاثرہ قوم کو حوصلہ اور ہمدردی کی ضرورت ہے۔ اگر حکومت یہ ثابت کرانے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ عوام کے دکھ درد میں شریک ہے تو اس سے متاثرین کو بڑا حوصلہ اور سکون مل سکتا ہے، لیکن تا حال اس میدان میں حکومت مکمل طور پر ناکامی کی شکار ہے۔ تین ہفتے گزرنے کے باوجود حکومت کے پاس ان حالات سے نمٹنے کا کوئی پروگرام نہیں پایا جاتا، بلکہ صوبائی اور مرکزی حکومت ایک دوسرے کے مقابلے میں سیاسی اسکور بنانے کے لئے تگ ودو کر رہی ہیں، جس سے بے اطمینانی کی فضا میں کسی سے ہمدردی یا حسنِ سلوک کی آواز نہیں سنی جاتی۔ عوام کا حکومتوں پر کوئی اعتماد نہیں رہا، بلکہ الگ ریلیف فنڈ کے لئے اکاؤنٹ کھولے ہیں، ان میں عوام کی کوئی دلچسپی نہیں۔ سرکاری اہلکار اگر مجبوراً ایک آدھ دن کی تنخواہ اس میں دے دیں یا کوئی ایسا شخص چیک پیش کرے جس کی کوئی فائل پھنسی ہوئی ہو تو حکومت سے فائل چھڑوانے کے لئے ادارہ کا سربراہ یا کوئی اہم شخصیت ریلیف فنڈ میں چیک پیش کرتے ہوئے اخبارات یا ٹی وی میں نمودار ہوتا ہے۔ ہاں عوام غیر سرکاری اداروں کے ذریعے تعاون کر رہے ہیں یا ذاتی طور پر تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ جب ملکی سطح پر عوام کا اعتماد حکومت پر نہیں پایا جاتا تو پھر غیر ملکی اداروں، حکومتوں یا شخصیات کا اعتماد کیسے پیدا ہوگا؟ بنیادی طور پر اعتماد تو گھر سے ملتا ہے، جب اعتماد کی اکائی میں ایک شخص ناکام ثابت ہو تو آگے جا کر اعتماد کی فضا قائم کرنا مشکل ہے۔ اس لئے عالمی اداروں اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر ہمارے ملکی کارندوں کے چیخنے کے باوجود کہیں سے پذیرائی نہیں مل رہی ہے اور یہی کہا جا رہا ہے کہ حکومت پر اعتماد کا فقدان عالمی امداد تک رسائی کے لئے رکاوٹ ہے۔ اعتماد کے فقدان کی یہ فضا کسی غلط فہمی یا میڈیا پروپیگنڈہ کا اثر نہیں، بلکہ گزشتہ حکومتوں کا کردار اور موجود حکومت کا غیر سنجیدہ اور غیر ذمہ دارانہ رویہ اس کا بنیادی سبب ہے۔ آج سے تقریباً پانچ سال قبل بھی 2005ء ہزارہ ڈویژن کے بعض حصے اور آزاد کشمیر اس طرح قدرتی آفت زلزلے کا شکار ہوئے۔ اگرچہ نفوس کے حوالے سے وہ عذاب بڑا تھا، کیونکہ اس میں چھیاسی ہزار لوگ مرے تھے، جب کہ اس میں اموات کی شرح اس کی نسبت سے چالیسویں حصے کے مترادف ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ زلزلہ سے متاثرہ علاقہ محدود تھا اور سیلاب کا متاثرہ علاقہ وسیع ہے۔ اس موقع پر ایک اندازہ کے مطابق چھ اعشاریہ پانچ ارب ڈالر یعنی چھ کھرب پاکستانی روپیہ بیرون ممالک سے امداد ملی۔ یہ امداد کہاں گئی؟ اس سے کون سا ''ماڈل بالاکوٹ'' یا ''ماڈل مظفر آباد'' تعمیر ہوا؟ بلکہ ''ایرا'' اور ''پیرا'' نامی اداروں نے اس امداد میں ہیرا پھیری کر کے اسے بدنام زمانہ حکمران مشرف پرویز اور اس کے حواریوں میں تقسیم کیا جس پر قوم کی قسمت اور عزت سے کھیلنے والے آج ملک اور بیرون ملک عیاشی کر رہے ہیں۔ اس واضح بے اعتمادی کے باوجود بیرونی دنیا اب کیسے اعتماد کرے گی۔ بلکہ موجودہ حکومت کے غیر ذمہ دارانہ رویہ سے اس کو مزید تقویت ملی کہ حکومت متاثرین کے لئے آئی ہوئی امداد میں کسی معقول اور سنجیدہ رائے رکھنے کے حق میں نہیں۔ حکومت چاہتی ہے کہ امداد ایسے ہاتھوں میں رہے جہاں جیالوں اور منظورِ نظر افراد کو جیب بھرنے کا موقع

ملے۔ چنانچہ حکومت کو دوسری جماعتوں سے یہ معقول تجویز آئی کہ بیرونی دنیا کے سامنے اعتماد پیدا کرنے کے لئے با اختیار کمیشن ہونا چاہئے اور اس میں ایسے لوگ ہوں جن پر معاشرہ کا اعتماد ہو اور یہی کمیشن بیرونی امداد کو مصرف کی خرچ کرنے کی ذمہ دار ہو لیکن حکومت سپروائزری کمیشن کی بجائے صرف National Oversight Disaster Management Council (NODMC) بنائی جس کا کام صرف مشورہ دینا ہے جب کہ فنڈ خود حکومت کے کرپٹ ادارے اپنی صوابدید پر خرچ کریں گے۔ صوبائی یا مرکزی حکومت تاحال کسی سنجیدہ اقدام سے عوام یا بیرون دنیا کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام ہے بلکہ اربابِ اقتدار کے مصنوعی کیمپ کے دورہ کرنے اور یا متاثرین کو پرتعیش بنگلوں اور کوٹھیوں میں ایک آدھ افطار پارٹی پر بلوا کر مگرمچھ کے آنسو بہانے سے بے اعتمادی مزید بڑھ رہی ہے۔ حکومت کی اس نااہلیت کا ایک دوسرا منفی اثر معاشرہ پر یہ پڑ رہا ہے کہ بیرونی ممالک اپنی امداد پہنچانے کے لئے این جی اوز کا سہارا لے رہے ہیں جن کی آمد سے معاشرہ کا اخلاقی ڈھانچہ تباہی کے قریب پہنچ چکا ہے اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ این جی اوز اس امداد کے بہانے دشمنانِ اسلام کے لئے آلہ کار بن کر ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی بنیادوں کو کمزور کر رہے ہیں جس سے بدامنی روز بہ روز بڑھ رہی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا کہ این جی اوز کا قیام اور حکومت کو نظر انداز کر کے ان اداروں کے ذریعہ متاثرین کی مدد کرنا حکومت پر بے اعتمادی کا بین ثبوت ہے، اس لئے حکومت کو تاحال اس میدان میں مکمل طور پر ناکامی کا سامنا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت چند اقدامات فوری طور پر کرے۔

(۱)..... حکومت معاشرہ کے سلجھے ہوئے باکردار افراد کے بااختیار کمیشن کا قیام یقینی بنائے جس پر چاروں صوبوں کے عوام کا اعتماد ہو اور عالمی سطح پر وہ لوگ اچھے کردار کے حامل ہوں۔ (۲)..... یہ ضروری ہے کہ بیرون امداد پر انحصار کئے بغیر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی جائے۔ میرے خیال میں اگر اعتماد کی فضا قائم ہو جائے تو اندرون ملک وسائل سے مشکلات پر کافی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے، کیونکہ اہلِ خیر کے یہ منتشر وسائل یکجا ہو کر بڑے منصوبوں کے لئے بروئے کار لائے جاسکتے ہیں۔ (۳)..... بددیانتی، کمیشن، رشوت یا دوسرے غلط ذرائع سے جو پیسہ افسروں کے جیبوں میں جاتا ہے یا سینیٹ، قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے ممبران یا دوسرے سرکاری اہلکار اس میں شریک ہو کر کالا دھن بناتے ہیں، حکومت ان غلط ذرائع کا تدارک کرے۔ اگر حکومت اس نازک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی ایسی قانون سازی کرے جس سے بددیانتی کے مقابلہ میں 46 ویں نمبر سے کہیں نیچے آسکتا ہے۔ (۴)..... بے اعتمادی کی فضا ختم کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ صوبائی حکومتیں وفاق سے زیادہ امداد حاصل کرنے کے لئے مبالغہ آمیزی سے کام نہ لیں۔ (۵)..... یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ متاثرین کی امداد کرنے میں ان کے مفادات کا تحفظ ہو، یعنی منصوبے ایسے بنائے جائیں جن میں متاثرین کے مفادات کا خیال ہو، سیاسی وابستگی یا تعصبات سے اس کو پاک رکھا جائے۔ خدا کرے کہ متاثرین کی یہ بے لوث امداد ہماری کمزوریوں کا کفارہ ثابت ہو۔ وماذلك على الله بعزيز